© rasailojaraid.com

جناب ڈاکٹر مبارک علی صاحب

ہندوستان کی سیاست میں ترکی غلاموں کا حصہ

دنیا کی تاریخ میں انسانوں کو بھی جانوروں کی طرح سدھا کر اور تربیت دے کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا گیا اور یہیں سے تاریخ میں غلامی کی ابتدا ہوئی۔ غلامی کے ادارے کو اس وقت تقویت اور قوت ملی، جب بادشاہ یا حکمران بنیادی حمایت سے محروم ہوگئے یا جب انہوں نے مطلق العنانیت کو اختیار کیا اور تمام اختیارات اپنی ذات میں جمع کر لیے تو اس وقت وہ عوامی حمایت اور مقبولیت سے دور ہوتے چلے گئے، اس کمی اور خلا کو انہوں نے غلامی کے ادارے سے پر کیا۔

اسلام میں بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو اس کی بنیاد عربی عصبیت پر تھی اور حکومت کے اقتدار میں صرف عربوں کو حصہ ملا جب کہ مفتوحہ علاقوں کے مسلمان اس سے محروم رہے۔ یہی محرومی کا جذبہ عباسی انقلاب کا باعث بنا، جو ایران اور عربوں کی مشترکہ کوشش کی وجہ سے کامیاب ہوا اور اس کامیابی کے بعد ایرانیوں کو بھی حکومت میں حصہ ملا لیکن بہت بعد عباسی خلافت استبداد اور مطلق العنانیت کی جانب بڑھی، جہاں آہستہ آہستہ ایرانی اور عرب اختیارات سے محروم ہوتے چلے گئے اور اس کی جگہ ترکی غلاموں کے ادارے نے لے لی۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اس عمل کی نشاندہی کی ہے کہ جب بادشاہ خود مختاری کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو اپنی قوم کے افراد کو سلطنت میں حصہ نہیں دیتا اور غیر قوم سے مدد طلب کر کے اپنی قوم پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نیا طبقہ بادشاہ کا انتہائی وفادار ہوتا ہے اور اس کی خدمت میں جان کی بازی لگا دیتا ہے، اس لیے بادشاہ کی اس طبقے پر مہربانی بڑھتی چلی جاتی ہے، اور وہ انہیں بڑے بڑے عہدے، عالی شان خطابات اور بڑی بڑی جاگیریں دیتا ہے۔

خلیفہ المتوکل نے خاص طور سے ترکی غلاموں کے ادارے کو اپنی حکومت کے استحکام کے لیے استعمال کیا۔ بعد میں عباسی خاندان کے زوال کے دور میں مشرق اور مغرب میں جب آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں تو ان حکومتوں کی بنیاد فوجی طاقت پر تھی اس لیے کہ ان کی عوام میں کوئی جڑیں نہیں تھیں، اور نہ ان حکمرانوں کا جن ملکوں پر وہ حکومت کر رہے تھے، عوام سے کوئی واسطہ تھا، بلکہ اکثر صورتوں میں یہ حکمران غیر ملکی اور پردیسی تھے، اس لیے ان حالات میں ان کی حکومت کی بنیاد صرف طاقت اور استبدادی اداروں پر تھی، حکومت کے اقتدار میں وہ خود اس ملک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ اقتدار میں اُن کی شرکت بغاوت یا شورش کی موجب ہو سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے عباسی دور کے قائم شدہ ترکی غلاموں کے ادارے کو اپنایا اور انہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا، مثلاً صفاری خاندان کے بانی یعقوب بن لیث (۸۶۸ - ۸۷۸) کے پاس دو ہزار غلام تھے جو اس کے ذاتی ملازم بھی تھے اور اس کے محافظ دستے میں بھی۔ اس کے بھائی عمر بن لیث (۸۷۸ - ۹۰۰) کا یہ دستور تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے لڑکوں بحیثیت غلام کے خریدتا تھا اور ان کی تربیت کر کے انہیں اپنے فوجی جرنیلوں کو دے دیتا تھا، جہاں وہ بحیثیت جاسوس کے کام کرتے تھے اور اس کو ہر قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتے تھے۔

مزدواجی بن زیاد نے جو ویلم کا حکمران تھا، ترکی غلاموں کی تعداد میں اضافہ کیا اور انہیں تین مقاصد میں استعمال کیا، فوجی ملازمت میں، ذاتی خدمت میں اور جاسوسی کے لیے۔

سامانیوں نے اقتدار میں آنے کے بعد اس ادارے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان کا مشہور سپہ سالار اسماعیل بن احمد (وفات ۹۰۷) ایک غلام تھا۔ سامانیوں نے ترکی غلاموں سے ایک اور مقصد پورا کیا۔ یعنی اپنی سلطنت سے ایرانیوں کے طاقت ور عنصر کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے ہاں ترکی غلاموں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ نصر بن احمد (۹۱۳ - ۹۴۳) کے عہد میں ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ سامانیوں کے عہد ہی میں الپتگین کو عروج حاصل ہوا اور بعد میں اس نے غزنوی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

گیارہویں صدی عیسوی تک ترکی غلاموں کا ادارہ اس قدر مستحکم ہو چکا تھا اور اس کے فائدے حکمرانوں کے سامنے اس قدر ظاہر ہو چکے تھے کہ انہوں نے ان غلاموں سے اپنی فوج تیار کی۔

ترکی غلاموں کے اس اقتدار میں ان کی اپنی خصوصیات اور اوصاف کو بڑا دخل ہے۔ ان کی وفاداری، بہادری شجاعت اور سادہ کردار کی وجہ سے انہیں بڑی مقبولیت ملی۔ ان غلاموں کے لیے سوائے ان کے آقا کے اور کوئی شخصیت قابلِ احترام نہیں ہوتی تھی۔ خاندان، رشتہ داروں، ماں باپ اور دوستوں سے محروم یہ طبقہ صرف بادشاہ کی ذات کا وفادار ہوتا تھا۔ چونکہ یہ غلام بادشاہ کی جائیداد ہوتے تھے، اس لیے ان غلاموں کی تمام دولت جائیداد اور مال و منال بھی اسی کا ہوتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد وہی اُن کا وارث ہوتا تھا۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ اس طرح سے ملک کی تمام جاگیریں، جائیدادیں اور مال و دولت اگرچہ تقسیم کیا جاتا تھا، مگر درحقیقت ان کا مالک درپردہ بادشاہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے سلطنت میں امرا کا کوئی طاقت ور طبقہ وجود میں نہیں آسکا جو بادشاہ کی طاقت واقتدار کو چیلنج کر سکے۔ اس طرح فوج کے تمام افسر، سپہ سالار اور جنرل ترک غلام ہوا کرتے تھے۔ جن کا کام یہ تھا کہ سلطنت میں ہونے والی تمام بغاوتوں، شورشوں اور سازشوں کو ختم کر دیں۔ یہ مسلسل فتوحات کے ذریعے سلطنت کی حدود اور آمدن میں اضافہ بھی کرتے رہتے تھے۔ اس کی وجہ سے بادشاہ اور اس طبقے میں باہمی اعتماد پیدا ہو جاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلاموں کی تعداد بڑھنے کے بعد ان کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا جاتا تھا، ایک طرف وہ غلام تھے جن میں زیادہ لیاقت و قابلیت نہیں ہوتی تھی اور وہ بادشاہ کی معمولی ذاتی خدمات پر مامور رہتے تھے اور ان میں سے اکثر ان ہی عہدوں یا ملازمتوں پر کام کر کے زندگی گزار دیتے تھے۔ لیکن وہ غلام جن میں کوئی صلاحیت ہوتی تھی، وہ اپنی ذاتی خدمت کے دوران بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے اور بہت جلد اعلیٰ عہدوں پر ترقی کرتے ہوئے "غلامانِ خاص" یا "غلامانِ سلطانی" کے درجے پر پہنچ جاتے تھے۔

ترک غلاموں کی اس قدر تعداد اس طرح سے آتی تھی کہ ان کی بڑھتی ہوئی مانگ نے اس تجارت کو زبردست فروغ دیا تھا اور ماوراءالنہر کی منڈیوں میں ترک غلاموں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ یقینی بات ہے کہ غلاموں کے حصول اور منافع کے احساس نے انسانیت پر فتح پائی ہوگی، کیوں کہ اس کے بغیر انسانوں کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا۔

ان غلاموں کے حصول کا ایک ذریعہ قبیلوں کی آپس میں جنگیں ہوا کرتی تھیں جن میں شکست خوردہ قبیلوں کے لڑکوں اور عورتوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور پھر انہیں تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا، جو انہیں شہروں کی منڈیوں میں لا کر ان کی عمر، جسمانی خوب صورتی اور ذہانت کی بنیاد پر مختلف قیمتوں پر فروخت کرتے تھے۔

اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ ماں باپ غربت و مفلسی سے مجبور ہو کر اپنی اولاد کو فروخت کر دیتے تھے۔ تاکہ اس صورت میں انہیں کسی امیر کے گھرانے یا بادشاہ کے ہاں ترقی کے زیادہ مواقع مل سکیں۔

ترکی غلاموں کی مقبولیت کے پیشِ نظر یہ دستور بھی تھا کہ انہیں تحفتہً باج گزار حکمران اور امراء بادشاہ کو دیا کرتے تھے۔ ایک اچھے غلام کا تحفہ دوسرے تمام تحفوں سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ ارسلان خاں منصور (۱۰۱۵ - ۱۰۲۴ء) کی بیوی ہر سال سلطان محمود غزنوی کو ایک کنیز اور مرد غلام تحفے میں بھیجا کرتی تھی۔ سلطان محمود نے جب خوارزم پر حملہ کیا تو شکست خوردہ بادشاہ کے تمام غلام مالِ غنیمت کے طور پر اسے ملے، اس طرح ماوراءالنہر کی مہم (۱۰۲۵ء) میں جو علی تگین کے خلاف تھی، محمود نے اس سے ایک ہزار غلام بطور خراج لیے۔

غلاموں کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ دستور ہو گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے پر جو غلام ان کے ہاتھ آتے، ان میں سے بہترین غلاموں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی ترقی اور عروج میں ان کی قسمت اور حالات کا بڑا دخل ہوتا تھا۔ اگر وہ خوش قسمت ہوتے اور ان امرا کے غلام بن جاتے جو نیک و رحم دل ہوتے تھے تو انہیں اس کا موقع مل جاتا تھا کہ وہ مختلف علوم و فنون حاصل کر سکیں، اگرچہ ان غلاموں کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص طریقہ تو نہیں تھا، مگر یہ غلام اکثر اپنے ذاتی شوق اور موافق حالات کے تحت کچھ نہ کچھ سیکھ لیا کرتے تھے۔ اس سے مالک کو بھی فائدہ تھا کہ فروخت کی صورت میں تعلیم یافتہ اور باہنر غلام زیادہ قیمت لاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان غلاموں کو جنہیں بادشاہ خرید تا تھا، ابتداء میں اسی کی ذاتی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا جیسے ساقیٔ خاص، چاشنی گیر، طشت دار، پوزبان، مشعل بردار، سرچتر دار، سرآب دار، خاصہ دار، جامہ دار، سلح دار اور علم دار وغیرہ، اس کے بعد جن غلاموں میں لیاقت ہوتی وہ ترقی کرتے ہوئے فوج کے جنرل اور صوبوں کے گورنر تک ہو جاتے تھے۔ دربار کے اعلیٰ عہدے بھی ان ہی ترکی غلاموں کو ملتے تھے، جن میں امیرِ مجلس، امیرِ حاجب اور امیرِ شکار ہوا کرتے تھے۔

ترک غلاموں کے وسیع اختیارات کے جہاں بہت سے فائدے ہوئے، وہاں اس کے مضر اثرات بھی نکلے، کیونکہ یہ اصول رہا ہے کہ ایک مرتبہ جب تمام اقتدار غلاموں کے طبقے میں منتقل ہو گیا اور ان کی مقابلہ کوئی دوسرا عنصر یا طبقہ چیلنج کرنے والا نہیں رہا تو انہوں نے اپنی طاقت کا بے جا استعمال کیا، چنانچہ یہ ہوا کہ ایک طاقت ور بادشاہ کی موجودگی میں تو یہ غلام اس کے وفادار رہے، لیکن ایک کمزور بادشاہ کے دربار میں انہوں نے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کیا، نئے بادشاہ کی تخت نشینی میں ان ترک غلاموں کی رائے کو بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ اس لیے اکثر ایسا ہوا کہ بادشاہ کے نامزد جانشین کے بجائے، اپنی پسند کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرا دیا جاتا اور اس سے فوائد حاصل کیے جاتے۔ اس وجہ سے اکثر شاہی خاندان، ان ترکی غلاموں کی سیاسی کش مکش اور سازش کی وجہ سے ختم ہو گئے۔

سلطان معز الدین غوری اور اس کے غلام۔

غزنوی حکومت کی بنیاد الپ تگین نے ڈالی تھی، جو سامانیوں کا غلام تھا، اسی کے ایک اور ترک غلام سبک تگین نے اس کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ فتوحات کے ذریعے سلطنت کی توسیع بھی کی۔ غزنوی سلطنت کے بعد جب غوریوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے بھی ترک غلاموں کے ادارے کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس میں نئی جان ڈالی۔ سلطان معز الدین غوری کے کوئی اولاد نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، اس کو ترک غلام خریدنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ جب وہ کسی غلام کی تعریف سنتا تو اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اسے اپنے غلاموں سے قلبی لگاؤ اور محبت تھی، اسی لیے جب کسی درباری نے اس سے یہ سوال کیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ تو سلطان نے فوراً جواب دیا "دوسرے بادشاہوں کے ایک یا دو لڑکے ہوں گے، جب کہ میرے ہزاروں لڑکے ہیں۔ اس کی مراد اپنے ترکی غلاموں سے تھی، جنہوں نے آگے چل کر اس کے نام کو زندہ کیا۔

معز الدین کے یوں تو ہزاروں غلام تھے، لیکن تین غلاموں نے خصوصیت سے اس کے عہد میں اور بعد میں زیادہ نام پیدا کیا۔ یہ تھے، تاج الدین یلدوز، قطب الدین ایبک اور ناصر الدین قباچہ۔ ان تینوں غلاموں کی ابتدائی تاریخ سے غلاموں کے اس نظام کا اندازہ ہوتا ہے جو اس وقت قائم تھا اور یہ کہ وہ کس انداز، طریقے اور نہج پر کام کر رہا تھا۔ مثلاً تاج الدین یلدوز کو ابتدائی عمر میں سلطان معز الدین نے خریدا، ابتداء میں اس نے معمولی کام کیے، لیکن بعد میں ترقی کر کے وہ "غلاموں کا سردار ہو گیا اور اس کے بعد کرمان اور سنقران کی جاگیریں اسے ملیں، وہ سلطان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے محبوب غلاموں میں سے تھا اور اس کا یہ دستور تھا کہ سلطان ہر سال ہندوستان سے واپسی پر اس کے پاس قیام کرتا اس موقع پر یلدوز ایک شان دار ضیافت کا انتظام کرتا اور ایک ہزار خلعتیں اور ٹوپیاں مہمانوں میں تقسیم کرتا۔ جب آخری مرتبہ سلطان اس کے پاس ٹھہرا تو اس نے ایک خلعت اور ٹوپی اپنے لیے پسند کی اور یلدوز کو نشانِ سیاہ (چتر) اور اپنا ملبوسِ خاص دیا۔ سیاہ چتر دینے کا یہ مطلب بھی تھا کہ وہ اسے اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہے۔

قطب الدین ایبک کی ابتدائی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ابتداء میں نیشاپور میں قاضی فخر الدین نے خریدا اور اپنے بچوں کے ہمراہ اسے بھی تعلیم و تربیت دی، بعد میں اسے غزنی لے جا کر سلطان معز الدین کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ابتدا ہی سے بڑا فیاض اور سخی تھا۔ ایک مرتبہ ایک مجلسِ نشاط کے موقع پر سلطان نے اسے انعامات و اکرام سے نوازا تو اس نے اپنے تمام انعامات محفل سے باہر آکر ملازموں میں تقسیم کر دیئے۔ یہ سن کر سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور اس پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا۔ اگرچہ وہ خوبصورت نہیں تھا لیکن اس میں بڑی صلاحیتیں تھیں، اس لیے وہ ترقی کر کے امیر اخور (شاہی اصطبل کا انچارج) ہو گیا۔ اس کے بعد اسے کہرام کا گورنر بنایا گیا اور پھر ہندوستان کی فتح کے بعد وہ یہاں کا وائسرائے بنا۔

تیسرا غلام ناصر الدین قباچہ تھا جس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اسے ابتدا ہی سے دربار میں اہم خدمات دی گئیں اور وہ سلطان کا مقربِ خاص ہو گیا۔ جب سلطان کا ایک اور غلام ناصر الدین ایتمر، خوارزم شاہ کی جنگ میں مارا گیا تو اس کی ملتان اور اوچ کی جاگیر قباچہ کو دے دی گئی، جہاں وہ آخر تک حکمران رہا۔

سلطان معز الدین کی یہ خواہش تھی کہ اس کے غلاموں میں اتحاد اور دوستی قائم رہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ان تینوں کے درمیان شادی و بیاہ کے تعلقات قائم کر دیئے۔ چنانچہ یلدوز کی دو لڑکیاں، ایبک اور قباچہ کے ساتھ بیاہی گئیں اور ایبک کی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے قباچہ کے نکاح میں آئیں۔

یہ اتحاد سلطان کی زندگی میں تو رہا لیکن اس کی وفات کے بعد سیاسی طاقت کے حصول میں یہ پاش پاش ہو گیا، کیونکہ سلطان معز الدین کی وفات کے بعد اس کے غلام اس کے جانشین ہوئے اور سلطان محمود نے جو اس کا بھتیجا تھا، فیروزکوہ میں رہنا پسند کیا۔ اس نے تاج الدین یلدوز اور قطب الدین ایبک کو غلامی سے آزادی کا خط بھیجا اور ساتھ ہی انہیں چتر اور خطاب دے کر ان کے علاقوں میں خود مختاری دے دی۔ ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں کہ قباچہ کو بھی کوئی ایسا خط یا خطاب یا شاہی علامت ملی ہو۔ سلطان کے مرنے کے بعد یلدوز غزنی میں اور ایبک دہلی میں خود مختار ہو گئے۔ قباچہ اگرچہ خود مختار تھا لیکن وہ شاید احتراماً ایبک کی زندگی میں اس کا وفادار رہا اور اکثر اوچ سے اس کے پاس دہلی بھی جاتا رہا۔ یلدوز کی ایبک اور قباچہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے جنگیں ہوئیں اور بالآخر (۱۵-۱۲۱۶ء میں) التتمش کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی۔

التتمش نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد ایک مضبوط بادشاہت کی کوشش کی اور اس نے یلدوز کے بعد (۱۲۲۸ء میں) قباچہ کو شکست دے کر ختم کر دیا۔

التتمش اور ترکی غلام۔

التتمش کے دربار میں سلطان معزالدین کے ترکی غلاموں کی کافی تعداد موجود تھی۔ یہ معزّی کہلاتے تھے، لیکن التتمش کے زمانے میں ان کا اثر و رسوخ کم ہو چکا تھا، کیونکہ التتمش نے خود ترکی غلام خرید کر اپنا ایک "وفادار طبقہ" پیدا کر لیا تھا، اس لیے کہ اسے اندازہ تھا کہ وہ معزّی غلاموں پر بھروسہ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں التتمش کے ان غلاموں کے تذکرے ملتے ہیں جنہوں نے اس کے عہد میں ترقی کی اور دربار کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ مثلاً ملک تاج الدین سنجر گزلک (وفات ۱۲۳۱ء) ایک مشہور غلام تھا، جسے التتمش نے بچپن میں خریدا تھا، اس کی پرورش ناصرالدین محمود کے ساتھ ہوئی تھی۔ ابتدا میں اسے چاشنی گیر کا عہدہ ملا، پھر داروغۂ اصطبل اور قباچہ کے خاتمے کے بعد ملتان، کہرام اور تبرہند (بھٹنڈہ) کا حاکم ہوا۔

سیف الدین ایبک یغاں تت (وفات ۱۲۴۲ء) بھی التتمش کے غلاموں میں سے تھا۔ یہ امیر مجلس کے اہم عہدے پر فائز ہوا اور بعد میں بہار و لکھنوتی کی ولایت اسے ملی۔ ملک عزالدین طغاں خاں طغرل (وفات ۱۲۴۷ء) التتمش کا ساقیِ خاص، سرداراتِ دار، چاشنی گیر، داروغہ اصطبل اور آخر میں بدایوں کا گورنر ہوا۔ ملک اختیارالدین التونیہ نے سرآب دار سے ترقی کر کے تبرہندہ کی گورنری حاصل کی۔

یہ تمام ترکی غلام سلطنت کے اہم اور بااثر عہدوں پر قابض تھے اور اسی وجہ سے دربار میں ان کا ایک طاقتور گروپ تھا، جو بعد میں "امیر چہل گانہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ ایبک اور التتمش کا تعلق غلاموں سے تھا کسی شاہی خاندان سے نہیں تھا، اس لیے ان کے خاندان کی وفاداری کی جڑیں امرا اور عوام میں گہری نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ التتمش کے بعد کچھ ترک غلاموں نے یہ کوشش کی کہ وہ سلطنت پر قابض ہو جائیں، ان میں ملک التونیہ ملک اختیارالدین یوزبک اور ملک عزالدین کشلو خاں نے بغاوت کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا، مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔

ان غلاموں میں سے خاص خاص غلام، شاہی خاندان سے شادی کے ذریعے تعلق قائم کر کے اس خاندان کا حصہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایبک نے اپنی لڑکی کی شادی التتمش سے کر دی، ملک التونیہ نے سلطانہ رضیہ سے شادی کی اور بلبن نے اپنی لڑکی کی شادی ناصرالدین محمود سے کر دی۔ اس ذریعے سے ایک خاص طبقہ پیدا کر لیا جاتا تھا تاکہ شاہی خاندان کو استحکام مل سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سیاسی ڈھانچے کا یہ اثر ہوا کہ حکومت اور حکومت کے تمام ادارے اور تمام سیاسی اختیارات صرف ترک غلاموں میں محدود ہو کر رہ گئے، اس لیے لازماً ان کی یہ کوشش تھی کہ یہ ڈھانچہ اسی طرح برقرار رہے اور ان کی مراعات اسی طرح قائم رہیں۔ اس جذبے نے امیر چہل گانہ کو جنم دیا۔

امیر چہل گانہ

یہ چالیس امیر التتمش کے غلام تھے جنہوں نے اپنی ایک طاقتور اور مضبوط جماعت بنالی تھی۔ یہ غلام اس کی زندگی میں تو اس کے وفادار رہے لیکن اس کی وفات کے بعد انہوں نے ہر نئے بادشاہ کے انتخاب میں دخل دینا شروع کیا اور اپنی مرضی کے حکمران تخت نشین کرانے لگے جس کی وجہ سے ہندوستان کی سلطنت سیاسی انتشار کا شکار ہو گئی اور اس انتشار میں ان کی طاقت میں مزید اضافہ ہوا، کیونکہ بادشاہت کے مستحکم ادارے کے ختم ہونے کے بعد ان کی طاقت باقی رہ گئی تھی۔

ضیاء الدین برنی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ۔

"بندگانِ شمسی چونکہ ایک ہی آقا کے غلام تھے اور وہ چالیس کے چالیس ایک ہی وقت میں بلند مقام پر پہنچے تھے، اس لیے وہ ایک دوسرے کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے سامنے سر جھکاتے تھے اور اقطاع، لشکر اور بزرگی و مرتبے میں سب کے سب برابری اور مساوات کا مطالبہ کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک شیخی مارتا کہ میں ہی سب کچھ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی نہیں۔

جب بلبن بادشاہ بنا تو اس نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس کی بادشاہت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ امیر چہل گانہ کا خاتمہ ہو جائے۔ اپنے ابتدائی زمانے میں وہ خود بھی ان میں سے ایک تھا اور اس گروہ کی طاقت اور قوت سے پوری طرح آگاہ تھا، اس لیے اس نے ایک ایک کر کے ان غلاموں کو مختلف ذریعوں سے قتل کرا کے ان کا زور توڑ دیا۔

امیر چہل گانہ کے خاتمے کے ساتھ ہی ہندوستان سے ترک غلاموں کے اثر و رسوخ اور اقتدار کا خاتمہ ہو گیا بلبن کے خاندان کے بعد جو حکمران آئے، وہ خالصتاً ترک نہیں تھے، اس لیے اگرچہ انہوں نے غلامی کا ادارہ تو قائم رکھا لیکن ترک غلام ہندوستان نہیں آتے تھے۔ کیونکہ اب ترک غلاموں کی سپلائی اتنی زیادہ تعداد میں نہیں ہو سکتی تھی، ہندوستانی غلاموں نے انفرادی طور پر تو ترقی کی جیسے ملک کافور اور خسرو خاں مگر بحیثیت مجموعی یہ ترک غلاموں کی مانند اقتدار پر قابض نہیں ہو سکے۔

ہندوستان میں ترک غلاموں کے ادارے کو اس وقت زوال ہوا جب ہندوستان میں ان کے منصب میں دوسری جماعتیں مثلاً خلجی اور تغلق پیدا ہوئے۔ انہوں نے برسرِ اقتدار آکر ان غلاموں کے بجائے اپنے وفاداروں پر

(بقیہ ص ۲۶ سے)

© rasailojaraid.com